

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا.

(پ: ۱۰، س: التوبہ، آیت: ۴۰)

اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند رہی۔

النّدوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

ماہنامہ

النّدوہ

شماره: 12

محرم 1433ھ / دسمبر 2011ء

جلد: 2

مؤسس و مسؤول:

مفتی محمد سعید خان

النّدوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

فہرست مضامین

نمبر شمار

مضامین

صفحہ نمبر

تسامحات

1

3 علم حدیث اور اہل بدعت

43 ایک یادگار علمی نشست

2

برائے ترسیل زر:

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاؤنٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان.

پاکستان فی پرچہ: 25 روپے

پاکستان سالانہ: 300 روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

پتہ برائے خط و کتابت:

① الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک،

اسلام آباد۔ پوسٹ کوڈ 46001

② الندوہ۔ پوسٹ بکس نمبر 1940

جی۔ پی۔ او۔ اسلام آباد

E-Mail: alnadwa@seerat.net

فون نمبر: 0300-5321111

0333-8383337

www.seerat.net

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



علم حدیث اور اہل بدعت

ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں ان رواۃ کی احادیث نقل کی ہیں، جو اپنی اخلاقیات کے اعتبار سے نہایت سچے اور کھرے افراد تھے لیکن اپنے عقیدے کے اعتبار سے، بدعتی تھے۔ اکابر محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد و حجتانی اور امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ نے ان اہل بدعت کی روایات اسی وجہ سے لے لیں کہ یہ بدعتی ہونے کے باوجود سچے اور کھرے تھے یہ بالکل درست اور ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے کردار و گفتار میں سچا ہو لیکن اپنے عقیدے کے اعتبار سے بدعتی ہو۔ حتیٰ کہ اس دنیا میں یہ بھی عین ممکن ہے کہ کوئی اپنے شخص اپنے عقیدے کے اعتبار سے تو کافر ہو لیکن اپنی روزمرہ گفتگو اور نقل خبر و روایت میں بالکل سچا ہو، یہ الگ بات ہے کہ دین کے معاملے میں کافر کی روایت سے پرہیز کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ائمہ احادیث قول و کردار کے سچے اور عقیدے کے بدعتی افراد سے روایات حدیث لیتے رہے ہیں لیکن ہمیشہ یہ احتیاط کرتے رہے ہیں کہ اس راوی کا عقیدہ صرف بدعات کی حد تک نادرست ہو، ان کی یہ بدعت، کفر کی حدود میں داخل نہ ہوتی ہو۔

اصول حدیث کی کتابوں میں محدثین اپنی اصطلاح میں اس مندرجہ بالا اصول کو اس طرح سے بھی بیان کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک بدعت دو قسم کی ہوتی ہے۔

① بدعت صغریٰ۔ اور یہ وہ بدعت ہے، جو عقیدے یا عمل میں، ہوتی تو ہے لیکن اس کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، البتہ اسے بدعتی کہا جاسکتا ہے۔ یہ شخص اگرچہ لوگوں کو اپنی اس بدعت کی دعوت ہی کیوں نہ دیتا رہا ہو یا لوگوں کو اس بدعت کی طرف مائل ہی کیوں نہ کرتا رہا ہو پھر بھی اگر وہ دیگر اصول حدیث پر پورا اُترتا ہے تو اُس کی روایت لی جائے گی۔

② بدعت کبریٰ۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی حدود کفر سے جا ملتی ہیں۔ ایسا شخص خواہ اس بدعت کی دعوت دے یا نہ دے، بہر حال اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی خواہ یہ شخص اپنے کردار میں کیسا ہی سچا اور کھرا کیوں نہ ہو۔ چنانچہ تمام اُمت کے فقہاء و محدثین رحمہم اللہ بدعت صغریٰ کے مرتکبین کی روایات ہمیشہ قبول کرتے رہے ہیں۔

حضرات فقہاء و محدثین رحمہم اللہ نے یہ اصول قائم کیا اور پھر وہ روادِ حدیث کو اسی اصول پر پرکھتے چلے گئے ہیں کہ کس راوی میں کیا بدعت تھی۔ اور جب کسی کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہوتی تھی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا اور اگر وہ بدعت درجہ کفر سے کم تھی اور اس راوی میں دیگر کوئی جھوٹ اور دھوکہ دہی وغیرہ کا عیب نہیں پایا جاتا تھا، تو انہوں نے اس کی روایت کو قبول کر لیا۔

اس اصول ہی کے مطابق حدیث کی کسی روایت میں جب کسی شیعہ راوی کا نام آیا تو حضرات فقہاء و محدثین رحمہم اللہ نے نہایت انصاف اور دلنش مندی سے کام لیا اور طے کیا کہ اگر کوئی راوی محض شیعہ ہے اور اس کی بدعت حد کفر سے کم ہے تو اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ مثلاً ایک راوی حدیث میں اس کے علاوہ کوئی قباحت نہیں پائی جاتی کہ وہ سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے افضل مانتا ہے یا وہ حب اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم میں مبالغہ سے کام لیتا ہے، تو یہ امور عقیدے کی ان معمولی بدعات میں سے ہیں، جن کی وجہ سے کسی سچے اور صحیح آدمی

کی روایت حدیث ترک نہیں کی جاسکتی، خواہ اُسے عرف عام میں شیعہ ہی کیوں نہ کہا جائے اسی اصول کے تحت ائمہ اہل السنۃ، حضرت امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ بھی دیگر بے شمار محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں اہل تشیع سے روایات حدیث نقل کی ہیں۔

پھر اسی اصول کے مطابق اگر روایت حدیث میں کوئی ایسا راوی آگیا جو شیعہ نہیں بلکہ رافضی ہے کہ اس کی بدعت حد کفر تک پہنچتی ہے تو پھر اس کی روایت حدیث نہیں لی جائے گی۔ مثلاً کوئی ایسا راوی حدیث ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دنیا میں دوبارہ واپس تشریف لائیں گے یا پھر وہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سب و شتم کا قائل ہے تو یہ شخص رافضی ہے اور اس کی روایت نہیں لی جائے گی گویا کہ ان حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ نے شیعیت اور رافضیت میں فرق کیا اور شیعہ کی روایت تو لی مگر رافضی کی روایت کو چھوڑ دیا۔

اس اصول کی تفصیل ”ہدی الساری“ لابن حجر العسقلانی، ”تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی“، ”الفیض السمائی علی سنن النسائی“، ”المدخل للحاکم نیشاپوری مع تحقیق احمد بن فارس السلوم“ اور مقدمہ ”اعلاء السنن“ للشیخ ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ، اور اصول حدیث پر ان محولہ کتب کے علاوہ ائمہ حدیث نے جو کتابیں لکھی ہیں، میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ہدی الساری میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے اٹھارہ ایسے رواۃ کے نام گنوائے ہیں، جن کی احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں اور وہ رواۃ شیعہ ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے عباد بن یعقوب کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ وہ رافضی تھے لیکن حضرت امام بخاری رحمہم اللہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے اور حضرت امام مسلم رحمہم اللہ نے ان سے روایت کی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کے یہ تمام شیعہ راوی، اس معنی میں شیعہ ہیں جس معنی کی تشریح اصول حدیث کے مطابق کی گئی ہے اور اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ایسے شیعہ سے روایت حدیث قابل قبول نہیں ہے تو پھر اسے چاہیے کہ صحاح ستہ کی کتابوں سے اور خاص کر صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی اصول کے قائل تھے کہ رافضیوں سے روایت نہ لی جائے، ان کے متعلق خطیب بغدادی نے یہ جو روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابو عصمتہ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کس سے سنا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہر اس شخص سے سنو جو اپنی بدعات (ہوئی) میں اعتدال سے کام لیتا ہو لیکن دیکھو شیعہ راویوں سے روایت نہ لینا کیونکہ ان کا اصل مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گمراہ تھے۔^①

اس روایت میں حضرت الامام رضی اللہ عنہ کی مراد وہ شیعہ ہیں جو رافضی ہیں کیونکہ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دین، وحی، کتاب اور سنت کی تصدیق کرنے والے اور اسلام کے مذہب حق ہونے کے پہلے گواہ ہیں، ان پر جرح کی جائے، ان کی ثقاہت پر تہمت لگائی جائے اور انہیں ناقابل

① حدثنا عمر بن إبراهيم قال : سمعت ابن المبارك يقول : سأل أبو عصمة أبا حنيفة : ممن تأمرني أن أسمع الآثار ؟ قال : من كل عدل في هواه ، إلا الشيعة ، فإن أصل عقدهم تضليل أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم .

(الكفاية في معرفة أصول علم الرواية، باب ذكر بعض المنقول عن أئمة أصحاب الحديث في

جواز الرواية عن أهل الأهواء والبدع ، رقم الحديث: ٣٣٨، ج: ١، ص: ٣٨٢)

اعتبار ٹھہرایا جائے تاکہ دین کے یہ ستون کمزور قرار پائیں اور اسلام کی عمارت گر جائے، اور اگر حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول سے مراد مطلقاً ہر شیعہ راوی مراد لیا جائے تو پھر حدیث و سیرت کے بہت بڑے حصے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

شیعہ اور رافضی رواۃ کے فرق کے اصول کو صحیح طور سے سمجھنے کے بعد یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بہت سے منکرین حدیث، ناصبی اور بعض اہل حدیث حضرات اس اصول کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ سیدھے سادھے، عام، سادہ لوح افراد جو محض اُردو زبان کی کتابوں سے دین کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی اس کوشش میں مخلص بھی ہوتے ہیں۔ ان دھوکہ دینے والوں کے فریب میں آجاتے ہیں اور راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔ یہ حرکت منکرین حدیث تو اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں علم حدیث کو غلط ثابت کر کے اس پاک علم سے اپنی جان چھڑانی ہوتی ہے اور اس علم کو بے اصل ثابت کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ جب بھی کسی ایسی حدیث کو دیکھتے ہیں جس میں کوئی راوی شیعہ ہو تو فوراً یہ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث میں تو شیعہ راوی ہے اور شیعہ جھوٹے ہوتے ہیں تو تمہاری کتابوں میں کیسی کیسی جھوٹی روایات حدیث، ان جھوٹے شیعوں کی بھری پڑی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور لوگوں کو، انکار حدیث کے فتنے میں مبتلا کر دیتے ہیں، ان منکرین حدیث کی کتابیں پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیسے کیسے دھوکے دیتے ہیں اور ایک صحیح اصول کو کیسے غلط استعمال کرتے ہیں۔

کچھ یہی حال ان ناصبیوں کا بھی ہے کہ انہیں ہر اس روایت کا انکار کرنا ہوتا ہے جس میں اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی منقبت بیان ہوئی ہو اس لیے جو روایات حدیث ان ناصبیوں کے خلاف پڑتی ہیں اگر اس حدیث میں کوئی شیعہ راوی آجاتا ہے تو یہ فوراً اس حدیث کا انکار بھی کر دیتے ہیں اور شور مچانے لگتے ہیں کہ دیکھو یہ حدیث تو شیعوں کی روایت ہے اس لیے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے

جانے کے قابل ہے۔ بس عام مسلمان ان کے اس دھوکے میں آ جاتے ہیں اور ناصیبت کی راہ اختیار کر لیتے ہیں صحیح اصول کے غلط استعمال کی یہ ایک واضح مثال ہے اور اگر آپ مولانا علامہ حبیب الرحمن صدیقی کا ندھلوی صاحب کی کتاب ”مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت“ کی چار جلدیں اور دیگر ائمہ نواصب کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو یہ جان جائیں گے کہ یہ کس طرح دھوکہ دے کر ناصیبت کی راہ ہموار کرتے ہیں اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت اور حنفی فقہاء کثر اللہ سوادھم پر اعتبار کو مسخ کرتے ہیں۔

بعض اہل حدیث حضرات بھی اپنے مسلک کے دفاع کے لیے جب میدان مناظرہ میں اترتے ہیں یا عوام کو تقلید کے خلاف بھڑکانا ہوتا ہے تو اپنے مسلک کے خلاف پڑنے والی تمام روایات کو فوراً یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ اس کی سند میں تو فلاں راوی شیعہ ہے، لہذا یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے۔ عام عوام صحیح اصول کو نہ جاننے کی وجہ سے اس دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں اور راہ کھوٹی ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیعہ راوی حدیث اور رافضی راوی حدیث دونوں کے فرق کو جاننا چاہیے تاکہ اسلام اور شریعت کو پڑھنے، سننے اور لکھنے والا فرد، غلط راہ پر نہ چل پڑے۔

اس لیے کسی بھی حدیث کی سند میں جب کوئی ایسا راوی آئے جو ”شیعہ“ ہو (رافضی نہ ہو) یا اہل بدعت میں سے ہو تو اس کی روایت سنتے ہی فوراً رد نہیں کر دینی چاہیے بلکہ اس راوی کے متعلق محققین نے جو کچھ اپنی کتابوں میں بحث اور فیصلے کیے ہیں، پہلے انہیں پڑھ لینا چاہیے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر محدثین، اہل بدعت کی روایت حدیث کو کیسے قبول کرتے ہیں؟ اس کی دو مثالیں پیش کی جا رہی ہیں اور ان دونوں مثالوں میں بہت سے ضمنی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

پہلی مثال تو یہ ہے کہ جیسے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں عمران بن حطان بدعتی کی روایت نقل کی ہے۔

عمران بن حطان یہ مشہور تابعی ہیں اور اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی زیارت کی ہے اس وجہ سے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کہنے کو تو یزید اور حجاج ابن یوسف بھی تابعین میں سے تھے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو اگر کافر نہیں تو فاسق تو یقیناً تھے ان کی تابعیت نے انہیں کچھ نفع نہ دیا۔ بعض مؤرخین کو جو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ عمران، حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے تو یہ بات درست نہیں ہے اگر یوں ہوتا تو وہ تو درجہ صحابیت میں پہنچ جاتے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”الإصابة“ میں اس غلطی کی تصحیح کی ہے، عمران اپنے ہم مسلک خوارج کے امام تھے اور اگرچہ خوارج کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو جہاد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے لیکن جب عبدالرحمن بن ملجم نے خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا تو عمران نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا اور اس بد بخت قاتل کی موت پر اس کا مرثیہ بھی لکھا اور اس میں یہ مدحیہ اشعار بھی کہے۔^①

يَا ضَرْبَةً مِّنْ تَقِيٍّ مَا أَرَادَ بِهَا
إِلَّا لِيُضْلِعَ مَن ذِي الْعَرَشِ رِضْوَانَا
إِنِّي لَأَذْكُرُهُ يَوْمًا فَأَحْسِبُهُ
أَوْفَى الْبَرِيَّةِ عِنْدَ اللَّهِ مِيزَانَا
واہ واہ، اُس (ابن ملجم) پر ہیزگار نے کیا وار کیا ہے اور کرنے والے (ابن ملجم) کی،
اس وار سے کوئی غرض نہ تھی، سوائے اس کے کہ اس نیکی سے عرش کا مالک، اللہ سبحانہ
و تعالیٰ خوش ہو جائے۔
میں جب اس وار کو یاد کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس (ابن ملجم) کی یہ
نیکی، تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہوگی۔

① الإصابة، حرف العين، رقم: ۶۸۹۱، عمران بن حطان، ج: ۵، ص: ۲۳۲.

یہ اشعار بتاتے ہیں کہ عمران، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پہ کتنے خوش تھے اور حد ہے کہ اس قتل ناحق کے مرتکب کو مبارک باد دے رہے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے امام ابوالطیب الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے عمران کے ان اشعار کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنِّي لَأُبْرَأُ مِمَّا أَنْتَ تَذْكُرُهُ عَنِ ابْنِ مُلَحِمٍ الْمَلْعُونِ بُهْتَانَا
إِنِّي لَأَذْكُرُهُ يَوْمًا فَالْعَنُوهُ دِينَارًا وَالْعَنُ عِمْرَانَ بْنَ حِطَّانَا

(عمران) جو باتیں تم نے اپنے اشعار میں کہی ہیں، میں تو ان سے بیزار ہوں اور ابن حِطَّان (ملعون) نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر) جو (کفر کی) تمہمت لگائی تھی، میں اس پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔ میں جب بھی ابن ملحَم کو یاد کرتا ہوں تو اس کے عقیدے پر لعنت بھیجتا ہوں اور عمران بن حِطَّان نے، جو اس کی مداح سرائی کی، تو اس پر بھی لعنت ہو۔

یہ جس عقیدے پر لعنت کی جا رہی ہے وہ ان خوارج کا یہ عقیدہ تھا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمان نہیں تھے چنانچہ عمران کا بھی یہی عقیدہ تھا اور ان کا انتقال ۸۴ھ میں ہو گیا تھا۔

حافظ الدین ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”سیر أعلام النبلاء“ کی چوتھی جلد میں عمران بن حِطَّان کے تذکرے میں اس کے مریضے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

اب دیکھیے یہ عمران بن حِطَّان اگرچہ خوارج کے دُعاۃ اور اہل بدعت کے ائمہ میں سے تھے، لیکن حضرت الامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ان سے روایات لی ہیں مثلاً عمران کی دو روایات صحیح بخاری کی کتاب اللباس میں مل جاتی ہیں ①

① کتاب اللباس، باب ليس الحرير للرجال وقدر ما يجوز منه، رقم الحديث: ۵۸۳۵.....

ایسے ہی امام حافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ نے سنن أبی داؤد، کتاب اللباس میں عمران سے ایک حدیث لی ہے ^①

ایسے ہی امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کی کتاب الزینۃ میں عمران سے روایت لی ہے۔ ^②
یہ تینوں مثالیں پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدعتیوں کے تمام فرق باطلہ خوارج، شیعہ، قدریہ، مرجہ، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ نے ان گنت روایات لی ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ کوئی بھی صاحب مطالعہ مفسر، محدث، فقیہ یا مؤرخ اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں اگر کوئی ابان ابن تغلب، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ہمدانی، عبد اللہ بن عیسیٰ کوفی، عدی بن ثابت، محمد بن حمادہ اور زاذان کندی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کرے گا تو ہماری گزارشات کی تصدیق ہو جائے گی۔

در بساط نکتہ دانان خود فروشی شرط نیست

یاخن دانستہ گو اے مرد غافل یا خموش

خود فروشی چھوڑ دے، لب بند اپنے، رہ خموش سَر نازک ہے یہاں، کچ دم مزین، نہ لاف مار۔

بدعتی رواۃ حدیث سے روایات نقل کرنے کی دوسری مثال ایک راوی شباہ بن سوّار ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں ان سے حدیث کی روایات لی ہیں، مثلاً صحیح بخاری کتاب المغازی، باب عمل صالح قبل القتال میں شباہ بن سوّار کی روایت ملتی ہے جہاں وہ اپنے استاد

..... کتاب اللباس، باب نقض الصور، رقم: ۵۹۵۲۔

① کتاب اللباس، باب الصلیب فی الثوب، رقم الحدیث، ۴۱۵۱۔

② کتاب الزینۃ، باب التشدید فی لبس الحریر، رقم الحدیث: ۵۳۰۶۔

استاد اسرائیل اور پھر وہ اپنے استاد ابواسحاق کا ذکر کرتے ہیں ^①۔ پھر امام بخاری رحمہ اللہ دوسری مرتبہ انہی شبابہ بن سوار کی روایت کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية، میں لائے ہیں جہاں پر شبابہ بن سوار اپنے استاد شعبہ اور وہ اپنے استاد قتادہ رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں ^②۔ صحیح مسلم میں بھی یہی معاملہ ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے مختلف مقامات پر ان کی روایات نقل کی ہیں۔ مثلاً ^① کتاب الایمان میں ان کی روایت عاصم بن محمد سے ہے ^③ ^② کتاب المساجد میں شعبہ عن قتادہ سے ہے ^④ ^③ کتاب صلاة المسافرين میں حضرت لیث بن سعد رحمہ اللہ سے، ^⑤ ^④ کتاب الزکاح

① رقم الحديث : ۲۸۰۸.

② رقم الحديث : ۴۱۶۲.

③ وحدثني محمد بن رافع، والفضل بن سهل الأعرج، قالوا : حدثنا شبابة بن سوار، حدثنا عاصم وهو ابن محمد العمري، عن أبيه، عن ابن عمر، عن النبي ﷺ الخ. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب : بيان أن الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا وإنه يأرز بين المسجدين، رقم الحديث : ۲۳۲)

④ حدثنا ابو بكر بن أبي شيبة، حدثنا اسماعيل ابن عليه، عن سعيد بن أبي عروبة؛ ح : وحدثنا زهير بن حرب واسحق بن ابراهيم، كلاهما عن شبابة بن سوار قال : حدثنا شعبه جميعاً عن قتاده في هذا الاسناد، مثله (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب : نهى من اكل ثوماً أو بصلاً أو كراثاً أو نحوها مما له رائحة كريهة عن حضور المسجد حتى تذهب ذلك الريح واخراجه من المسجد، رقم الحديث : ۱۲۵۹).

⑤ وحدثني عمرو الناقد حدثنا شبابة بن سوار المدائني، حدثنا ليث بن سعد عن عقيل بن خالد، عن الذهري عن انس قال كان النبي ﷺ الخ. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب : جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، رقم الحديث : ۴۷)

میں سلیمان بن مغیرہ سے،^① ⑤ کتاب الفرائض میں دوبارہ شعبہ عن قتادہ سے،^②
 ⑥ کتاب الاثر بہ میں پھر سلیمان بن مغیرہ سے،^③ ⑦ کتاب الاداب میں ابن ابی ذئب سے،^④

① حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا شبابة بن سوار، حدثنا سليمان بن المغيرة، عن ثابت، عن أنس، قال كان للنبي ﷺ الخ. (صحيح مسلم، كتاب الرضا ع، باب: القسم بين الزوجات، وبيان أن السنة أن تكون لكل واحدة ليلة مع يومها، رقم الحديث: ١٤٦٢)

② وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا اسماعيل ابن علي، عن سعيد بن أبي عروبة. ح وحدثنا زهير بن حرب واسحاق بن ابراهيم، وابن رافع، عن شبابة بن سوار، عن شعبه كلاهما، عن قتادة، بهذا الإسناد نحوه. (صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب: ميراث الكلالة، رقم الحديث: ٤١٥١).

③ حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا شبابة بن سوار، حدثنا سليمان بن المغيرة، عن ثابت، عن عبد الرحمن بن أبي ليلى، عن المقداد الخ. (صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب: إكرام الضيف وفضل إيثاره، رقم الحديث: ٥٣٦٢).

④ حدثني محمد بن رافع: حدثني حجين يعني: ابن المثنى، حدثنا الليث، عن عقيل. ح وحدثنا اسحق بن ابراهيم وعبد بن حميد، قالوا: أخبرنا عبدالرزاق، أخبرنا معمر. ح وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا شبابة بن سوار، حدثنا ابن أبي ذئب. ح وحدثني محمد بن رافع، أخبرنا اسحق بن عيسى، أخبرنا مالك، كلهم عن الزهري، بهذا الإسناد، مثل معنى حديث يونس، غير أن مالكاً في حديثه ذكر الطيرة، وليس فيه ذكر الكهان. (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب: تحريم الكهانة واتبان الكهان، رقم الحديث: ٥٨١٤).

⑧ کتاب الفضائل میں پھر شعبہ سے ①⑨ اور کتاب الزهد میں پھر شعبہ سے ②_____ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین _____، اور پھر یہ روایات تو صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے پیش کی گئی ہیں، جن پر پوری اُمت کا اعتماد ہے، وگرنہ دیگر کتب حدیث میں بھی شبابہ بن سوار کی روایات مل جاتی ہیں۔

شبابہ بن سوار میں وہ کیا بدعات تھیں جن کی وجہ سے وہ بدعتی قرار پائے؟ اور جب اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے تو پھر اسماء الرجال کی کتابوں کو بڑی دقتِ نظر سے کھگانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک تجزیہ پیش خدمت ہے۔

①

حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی دونوں توارخ میں شبابہ بن سوار کا تذکرہ تحریر فرمایا ہے اور ”التاریخ الکبیر“ میں صرف اتنا تحریر فرمایا ہے۔^③

① حدثنا محمد بن المثنی وھارون بن عبد اللہ ، قالا : حدثنا عبد الصمد ، ح وحدثني عمرو الناقد، حدثنا شبابة بن سوار ، قالا : حدثنا شعبه ، عن أبي بشر ، بهذا الإسناد . (صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة رحمہم اللہ ، باب : من فضائل غفار وأسلم وجھينة وأشجع ومزينة وتميم ودوس وطيء رقم الحديث : ۶۴۴۷)

② وحدثني عمرو الناقد، حدثنا هاشم بن القاسم ، ح : حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا شبابة بن سوار ، كلاهما ، عن شعبه ، بهذا الإسناد . (صحیح مسلم ، کتاب الزهد [الرقائق] ، باب : النهي عن المدح إذا كان فيه إفراط ، وخيف منه فتنة على الممدوح ، رقم الحديث : ۷۵۰۳)

③ شبابة بن سوار أبو عمرو الفزاری المدائنی مولاہم ، سمع شعبه و حريز بن عثمان و ابن أبي ذئب ، يقال مات سنة خمس أو أربع و مائتين ، كناه على . (التاریخ الکبیر ، باب الشين ، باب الواحد ، رقم ۲۷۷۰ ، القسم الثاني من الجز الثاني ، ج : ۴ ، ص : ۲۷۰)

شبابہ بن سوار ابو عمرو المفزاری ، المدائنی سے ان کی نسبت ولاء ہے۔ انہوں نے شعبہ بن حریر بن عثمان اور ابن ابی ذئب سے احادیث کی سماعت کی ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ان کی وفات ۲۰۴ھ یا ۲۰۵ھ میں ہوئی ان کی کنیت (ابو عمرو کے علاوہ علی ہے)۔

②

التاریخ الصغیر میں تو اس سے بھی زیادہ اختصار سے کام لیا ہے تحریر فرماتے ہیں: ①
شبابہ بن سوار الفزاری جن کی نسبت ولاء مدائنی اور کنیت ابو عمرو ہے، ان کا انتقال ۲۰۶ھ میں ہوا۔

صاف معلوم ہو گیا کہ انہوں نے اس راوی پر کوئی جرح نہیں کی اور نہ ہی ان کی کسی بدعت کو بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس راوی کی روایات اپنی صحیح میں بھی ذکر فرمادی ہیں لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ انہوں نے اپنی اسی صحیح بخاری میں متعدد بدعتیوں کی روایات نقل کی ہیں۔

③

ایسے ہی صحیح بخاری کے رجال پر جو اہم کتابیں مرتب کی گئی ہیں، ان میں سے ایک کتاب ”الہدایۃ والارشاد فی معرفۃ اہل الثقۃ والسادۃ“ امام ابوالنصر احمد بن محمد بخاری کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی

① عشر إلى عشر ومائین . ج: ۲، ص: ۲۸۰.

۳۹۸ھ کی ہے۔ انہوں نے اس راوی (شبابہ بن سوار) کا اور ان کے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن کوئی جرح نہیں کی ہے۔^①

④

صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کو دیکھیے تو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جہاں جہاں اس راوی سے روایات لی ہیں، وہ تذکرہ تو گزر چکا اور اسی سلسلے میں خود حضرت امام مسلم رحمہ اللہ کی اسماء الرجال پر کتاب ”الکنى والاسماء“ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس راوی پر کوئی جرح نہیں ملتی۔ امام مسلم رحمہ اللہ تو صرف یہ تحریر فرماتے ہیں:^②

ابو عمرو وشبابہ بن سوار الفزاری، انہوں نے شعبہ، حرز بن عثمان اور ورقاء بن عمر سے روایت حدیث کی ہے۔

① شبابہ بن سوار، أبو عمرو، الفزاری، مولاہم، المدائنی، سمع شعبہ، وورقاء، واسرائیل۔ روی عنہ علی ابن المدنی، و عبد اللہ بن محمد المسندی، و محمد بن عبد الرحیم، و محمود بن غیلان فی تفسیر الحج و غیر موضع۔ مات سنۃ ۲۰۶۔ قالہ البخاری، و ذکر أبو داود نا الحسن أرادہ بن علی الحلوانی۔ قال: مات شبابہ، و حجاج بن محمد، و یزید بن ہارون فی أربعین يوماً سنۃ ۲۰۶۔ وقال محمد بن سعد مثل البخاری۔ (باب الشین، رقم: ۵۰۵، ج: ۱، ص: ۳۵۶)۔

② أبو عمرو وشبابہ بن سوار الفزاری، سمع شعبہ و حرز بن عثمان و ورقاء بن عمر۔ (باب ابو عمرو رقم: ۲۳۳۱، ج: ۲، ص: ۲۸)۔

⑤

ایسے ہی صحیح مسلم کے رجال پر جو اہم کتابیں مرتب ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب، امام احمد بن علی بن منجیہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۸ھ کی ”رجال صحیح مسلم“ ہے۔ انہوں نے اپنی اس تالیف میں شبابہ بن سوّار کی کنیت ابو عمرو، پھر ان کے اساتذہ کرام اور صحیح مسلم کے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے، جہاں ان کی روایات پائی جاتی ہیں لیکن بغیر کسی جرح کے یہ تذکرہ مکمل کر دیا ہے۔^①

⑥

مؤرخین اور علماء اسماء الرجال عام طور پر شبابہ بن سوّار کا سن پیدائش ۳۰ھ اور سن وفات ۲۰۶ھ متعین فرماتے ہیں اور اس اعتبار سے صاحب طبقات الکبریٰ محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہم عصر مؤرخ ہیں کیونکہ صاحب طبقات کی پیدائش ۱۲۸ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۳۰ھ میں ہوا، گویا کہ محمد بن سعد

① شبابہ بن سوّار الفزاری مولاهم المدائنی، کنیتہ أبو عمرو۔ روی عن عاصم بن محمد فی الإیمان، والیث بن سعد فی الوضوء والصلاة، وورقاء فی الصلاة وغیرها، وشعبة فی البیوع وغیرها، وشیبان بن عبدالرحمن فی الزکاة، و سلیمان بن المغیرة فی النکاح، والأطعمة، وابن أبی ذئب فی الطب، و محمد بن طلحة بن مصرف فی البر، وعبدالعزیز بن الماجشون فی الظلم۔ روی عنه: محمد بن رافع، والفضل بن سهل، و محمد بن حاتم فی الزکاة، و أبوبکر بن أبی شیبہ، وزهیر بن حرب، واسحاق الحنظلی، وعمرو النافذ، وأحمد بن خراش، وحجاج بن الشاعر۔ (باب الشین، رقم: ۶۷۵، ج: ۱، ص: ۳۱۱)۔

شبابہ بن سوار کے انتقال کے سال اڑتیس برس کے تھے غالباً یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ”طبقات الکبریٰ“ میں اس راوی کے حالات ضبط تحریر میں لاتے ہوئے یہ جرح فرمائی ہے۔^①

وکان مرجیاً۔ اور یہ مرجی تھے۔

پھر ان کی توثیق بھی کی ہے اور روایت حدیث کے معاملے میں انہیں قابل اعتماد راوی بھی قرار دیا ہے۔ قبل اس کے کہ اس راوی پر مزید بحث کی جائے، یہاں پر یہ سمجھ لینا مناسب ہوگا کہ ”ارجاء“ کس عقیدے کا نام ہے اور ”مرجئہ“ کون ہوتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ یہ لفظ ”ارجاء“ خالص عربی زبان کا ہے اور اس کا اصل مادہ یا تو ”رج آ“ ہے یا ”رج و“ ہے اور یا پھر یہ لفظ ”رج ی“ سے بنا ہے اگر اسے ”رج آ“ سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کے معنی ”امید“ کے آتے ہیں جو کہ ”یأس“ (نا اُمیدی) کی ضد ہے اور اگر موخر الذکر دو مادوں (① ”رج و“ ② ”رج ی“) سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کے معنی ”کِناراً“ کے آتے ہیں۔ ”رجاء“ ایسی اُمید کو کہتے ہیں جس میں خوشی اور مسرت کا پہلو بھی شامل ہو۔ نارنجی رنگ کو بھی اسی لیے ”ازجوان“ کہتے ہیں کہ اس میں بھی خوشی اور فرحت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔^②

① شبابة بن سوار الفزاری، مولیٰ لہم، ویکنی أبا عمرو، وکان ثقة صالح الأمر فی الحدیث، وکان مرجیاً۔ (وکان بالمدائن من المحدثین و الفقہاء، ج: ۷، ص: ۳۲۰)۔

② یہ وہی رنگ ہے جسے فارسی میں ”ارغوانی“ کہتے ہیں یعنی کُسم، لا چُچُتا، نہایت سرخ رنگ، ہماری نئی نسلیں اب رنگوں کے نام بھی بھولتی جا رہی ہیں، مثلاً فالسی، چمپی، نسواری، موگلیا، ترنجی، ترمزی، آبنوی، شنگرفی، کبودی، گیروا، بنفشی وغیرہ۔ ارغوان درحقیقت ایک ایرانی پودا ہے جو موسم بہار میں پھولوں سے لد جاتا ہے۔ جنگلی خشخاش کی طرح ہوتا ہے اور زمین پر بچھا رہتا ہے اس کے پھول خشخاش کے پھولوں سے زیادہ لمبے، نہایت سرخ، ان کی بوتیز.....

”أَرْجَتِ النَّاقَةَ“، اوٹنی کی ولادت کا وقت قریب آ گیا یہ محاورہ اس لیے بولا جاتا ہے کہ اوٹنی اپنے مالک کو قرب ولادت یا بچے کی اُمید دلارہی ہوتی ہے۔

پھر یہی لفظ کبھی خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک عرب شاعر ابو ذؤیب الہذلی کہتا ہے۔

إِذَا لَسَعَتْهُ النَّحْلُ لَمْ يَرْجُ كَسَعَهَا

وَ حَالَفَهَا فِي بَيْتِ نَوْبِ عَوَاسِلِ

شہد کی کبھی جب کاٹتی ہے تو وہ اس لیے نہیں ڈرتا کہ اُس نے شہد کی مکھیوں کے ساتھ دوستی کا پیمانہ باندھ رکھا ہے۔

”رِجاء“ میں خوف کا معنی غالباً اس لیے شامل ہوا ہوگا کہ اُمید میں یہ خوف تو رہتا ہی ہے کہ یہ بر آتی بھی ہے یا نہیں؟ پھر چونکہ اُمید بھی آہستہ آہستہ ٹلتی رہتی ہے اس لیے ”أَرْجَأْتُ الشَّيْءَ“ کے معنی ہیں ”کسی چیز کو پیچھے ڈال دینا، مؤخر کر دینا، پیچھے رکھنا، الگ سے ہٹا دینا، کسی معاملے کو تعویق میں ڈال دینا، تاخیر کرنا، ٹال دینا“

قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے انہی معانی میں استعمال فرمایا ہے ①

وآخرون مرجون لا مراللة۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کا معاملہ تاخیر میں ہے۔

مرجہ کو بھی مرجہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اعمال صالحہ کو ایمان سے ہٹا دیتے ہیں، پیچھے ڈال دیتے

..... اور مزہ تلخ ہوتا ہے۔ حسرت موہانی فرماتے ہیں:

ہے نرالی، سبز کی بھی، روے روشن پر بہار اور ڈھنی بہتر تھی لیکن ارغوانی، آپ کی

انگلش میں اس رنگ کو (Purple) اور کبھی (Crimson) کہتے ہیں۔ قرمزی رنگ کیلئے بھی (Crimson) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

① پ: ۱۱، سورة التوبة، آیت نمبر: ۱۰۶۔

ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان بغیر عمل کے محض زبان سے اقرار ہے۔ گویا کہ انہوں نے زبان سے ایمان کا اقرار کر لیا اور اعمال صالحہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ ان کا گمان یہ ہے کہ خواہ نماز نہ پڑھو اور روزے بھی نہ رکھو تم بخشے بخشائے ہو۔^①

اعمال کی اہمیت کو ایسا گراتے تھے کہ لوگوں میں یہ پرچار کرتے پھرتے تھے کہ تمہارے مسلمان ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ زبان سے ضروریات دین کا اقرار کر لو اور اس کے بعد خواہ کوئی بھی نیکی کا کام نہ کرو تو کوئی پرواہ نہیں بلکہ پوری عمر بھی کبیرہ گناہوں میں مبتلا دو تو بھی تمہاری یہ روش نہ تو تمہیں نقصان پہنچائے گی اور نہ ہی تم ایک لمحے کے لیے بھی دوزخ میں جاؤ گے۔

جب کہ ان کے مقابلے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ تھا کہ اتنی بات تو درست ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا ایسا حصہ نہیں ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام کی، دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے تو وہ بغیر اعمال صالحہ کی بجا آوری کے مومن نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اعمال صالحہ کا اپنا بہت بڑا ٹھکانا ہے، یہ تو درست ہے کہ ایک شخص مومن ہونے کے باوجود عمر بھر کبائر میں مبتلا رہا اور اس سے اعمال صالحہ کا صدور نہ ہوا لیکن اگر اس کی موت ایمان پہ واقعہ ہوئی تو وہ ایک دن ضرور جنت میں جائے گا لیکن اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنے کو یا تو جہنم میں جانا ہوگا اور یا پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے معاف فرما دے گا لیکن بالکل اعمال صالحہ کی نفی اور اعمال سیئہ پر جرات دلانا بھی مناسب نہیں ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے مقابلہ میں یہ تو وہ مرجعہ (عمل کو پیچھے ڈالنے والے) ہیں جو بالکل گمراہ ہیں۔

① والمرجئة طائفة من المسلمين يقولون: الإیمان قول بلا عمل. كأنهم قدموا [القول] وأرجا العمل، أي أخروه، لأنهم يرون أنهم لو لم يصلوا ولم يصوموا ولنجاهم إيمانهم. (تاج العروس، باب الألف، فصل الرأء مع الهمزه، رجاء، ج: ١، ص: ١٦٠).

اور ایک اور طبقہ، اور بھی ہے جو کہ درحقیقت ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ رحمہم اللہ پر مشتمل ہے لیکن بعض اوقات مؤرخین یا بعض نادان دوست انہیں بھی مرجعہ (عمل کو پیچھے ڈالنے والے) کہہ دیتے ہیں اور وہ اس وجہ سے کہ یہ حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ ایمان کو اس کی اہمیت کی بنا پر سب سے اولیٰ قرار دیتے ہیں اور اعمال کو ان کے حقیقی مقام، درجہ دوم پر رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو حقیقتاً مرجعہ ہیں ان میں اور ان ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ رحمہم اللہ کے عقائد میں دور دور تک کوئی اشتراک نہیں ہے۔ بعض اوقات اشتراک لفظی سے شبہ پڑ جاتا ہے وگرنہ پہلا گروہ اور دوسرا گروہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے مرجعہ کے بارے میں سیر أعلام النبلاء میں حضرت ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ کے حالات میں ایک یہ بات بھی لکھی ہے۔^①

ابو الصلت عبد السلام بن صالح الہروی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان (ابراہیم بن طہمان) کا ارجاء، یہ تو نہیں تھا جو ان ناپاک مرجعہ کا ہے کہ ایمان صرف زبان کا اقرار ہے اور عمل کو ایمان میں کچھ دخل نہیں ہے اور اگر کوئی شخص نیک کام نہیں کرتا تو چونکہ اس کے پاس ایمان ہے تو اعمال صالحہ کا ترک اسے نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ ان (ابراہیم بن طہمان) کا ارجاء

① وقال أبو الصلت عبد السلام بن صالح الہروی: سمعت سفیان بن عیینة يقول: ما قدم علينا خراسانی أفضل من أبي رجاء عبد الله بن واقد. قلت له: فابراہیم بن طہمان؟ قال: كان ذاك مرجئا. ثم قال أبو الصلت: لم يكن إرجاءؤهم هذا المذهب الخبيث: أن الإيمان قول بلا عمل، وأن ترك العمل لا يضر بالإيمان، بل كان إرجاءؤهم أنهم يرجون لأهل الكبائر الغفران، ردا على الخوارج وغيرهم، الذين يكفرون الناس بالذنوب. وسمعت وكيعا يقول: سمعت الثوري يقول في آخر أمره: نحن نرجو لجميع أهل الكبائر الذين يدينون ديننا ويصلون صلاتنا، وإن عملوا أي عمل. قال: وكان شديداً على الجهمية. (رقم: ١٤٠، ج: ٧، ص: ٣٧٨).

تو یہ تھا کہ وہ کبائر کے مرتکب فرد کے لیے مغفرت کی رَجاء (اُمید) رکھتے تھے اور خوارج جو ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے تھے، یہ ان خوارج کا رد کیا کرتے تھے۔

اور میں نے حضرت وکیع رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے کہ وہ فرماتے تھے، وہ تمام گناہ گار جن کا عقیدہ ہماری طرح ہے اور نماز بھی ہماری طرح ہی پڑھتے ہیں تو پھر وہ جو بھی کبیرہ گناہ کریں ہمیں اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ ان گنہگاروں کی بخشش فرمائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ”عقیدہ ارجاء“ اگر اس بات کا نام ہے کہ گنہگاروں کی بخشش ہوگی تو پھر تو ہم سب اللہ تعالیٰ سے یہ ”رجاء“ (اُمید) رکھتے ہیں اس لیے ہم سب ”مرجئ“ ہیں اور اگر ”عقیدہ ارجاء“ اعمال صالحہ کی اہمیت گرانے اور اعمال سیئہ کے نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو جانے کا نام ہے تو پھر ہم اس گمراہ کن عقیدے سے بری و بیزار ہیں۔^①

⑦

شبابہ بن سوّار کے قریبی معاصرین میں سے صاحب طبقات ابن سعد کے بعد، دوسری بڑی ہستی

① مولانا نجم الغنی صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تعلیم الایمان (شرح فقہ اکبر) میں مرجئہ فرقے پر کچھ بحث کی ہے، جو متعدد فوائد پر مشتمل ہے چنانچہ وہاں سے ایک طویل اقتباس اس مقام پر نقل کیا جا رہا ہے۔

جس نے ان پر جرح کی ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہے۔ حضرت الامام ۱۶۳ھ میں پیدا

مرجہ

یہ لفظ ارجا سے نکلتا ہے جو مشتق ہے رجا بمعنی امید سے، اسلئے کہ مرجہ کو یہ امید ہے کہ اہل معاصی کو اللہ ضرور ثواب دے گا، اسی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا، مرد مومن ایمن ہے، گناہوں کی سزا سے، یا لفظ مشتق ہے ارجاء بمعنی تاخیر سے، اسلئے کہ انہوں نے حکم اصحاب کبار کو آخرت تک موخر رکھا ہے پس دنیا میں صاحب کبیرہ پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی ہے پہلی صورت میں مرجہ یا بے تحاشی کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت میں ہمزہ کے ساتھ مرجہ اور حقیقت مرجہ کی یہ ہے کہ ان کو اثبات وعد اور نفی وعید و خوف میں مومنین سے غلو ہے مرجہ ایمان اور عمل کو دو مختلف چیزیں قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا ایک شخص دل سے اگر توحید اور نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذے سے بری ہے لکن نقول من عمل حسنة بجميع شرائطها خالياً عن العيوب المفسدة ولم ييطلها حتى خرج من الدين فإن الله تعالى لا يضيعها بل يقبلها منه ويشبه عليها (لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی نیک کام ان کے تمام شرائط کے ساتھ کرے گا اور ان کو تباہ کرنے والے عیبوں سے پاک صاف رکھے گا اور ان نیک کاموں کو باطل نہ کرے گا، یہاں تک کہ دنیا سے ایمان کے ساتھ انتقال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک کاموں کو ضائع نہ کرے گا بلکہ اُس سے ان کو قبول فرمائے گا اور اس کو ان کا ثواب بخشے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا چنانچہ قرآن میں ہے ان الله لا يضيع اجر المحسنين (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) اور دوسری جگہ ہے وان الله لا يضيع أجر المؤمنين (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) مگر اللہ تعالیٰ مختار ہے اُس پر کوئی بات واجب نہیں ہے وہ براہ فضل اعمال حسنہ کے عوض ثواب دیتا ہے

ہوئے اور اس وقت شبابہ بن سوار کی عمر چونتیس برس تھی۔ ان کے عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے حضرت

بعض لوگ امام اعظم کو مرجعہ کہتے تھے

امام صاحب کا یہ قول دیکھتے ہوئے معتزلہ سے تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے امام صاحب اور ان کے تابعین کو مرجعہ کہہ دیا ہے شاید امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق نہ زیادہ ہوتی ہے نہ کم تو معتزلہ کو اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ امام صاحب نے جو عمل کو حقیقت ایمان سے خارج کر دیا ہے تو ان کے نزدیک مغفرت کے لئے ایمان کافی ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی عمل مفروضہ کا ترک اور گناہ ضرر نہیں کرتا کیونکہ اعمال ایمان میں داخل نہیں لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو مرجعہ کا ہم اعتقاد خیال کرنا درست نہیں اس لئے کہ اگر جاتویہ ہے کہ یہ سمجھیں کہ عذاب و عقاب اور مواخذہ کسی طرح نہ ہوگا اور ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہ پہنچا سکے گا سو یہ عقیدہ حنفیہ کا کب ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے میں ہے جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے عذاب دے اور گناہ گار کے واسطے عذاب بھی ثابت کرتے ہیں اور اسکے ضرر سے خائف رہتے ہیں ہاں لطف پر ان کی نظر بھی ہے اس لیے جانب مغفرت و امید واری کی رعایت رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخش دے اور فاسق کو دوزخ میں نہ ڈالے امام ابوحنیفہ کو اسے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقے کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغر بن کو پہونچتے تھے جب بحث ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو، جدا گانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اس پر بہت لوگوں نے ان کو بھی مرجعہ کہا لیکن وہ ایسا مرجعہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہاء میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہم زبان تھے ان کو یہ بھی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب ”المعارف“ میں مرجعہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء اور محدثین کے نام گنائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ ابراہیم تمیمی

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی عمر میں بعض احادیث ان سے روایات بھی کی ہیں لیکن پھر بعد

اور عمرو بن مرہ اور طلق الجیب اور حماد بن سلیمان اور عبدالعزیز بن ابوداؤد اور خارجہ بن معصب اور عمر بن قیس الاصر اور ابو معاویہ الضریر اور یحییٰ بن زکریا اور مسعر بن کدام حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سیکڑوں روایتیں موجود ہیں جو اس پر غش (دل و جان سے عاشق) ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔

غنیۃ الطالبین کے متعلق تحقیقات

اور یہ جو غنیۃ الطالبین میں آیا ہے اما المرحمۃ ففرقھا اثنا عشر فرقة الجهمیۃ و فلانة و فلانة و الحنفیۃ و اما الحنفیۃ فہم أصحاب أبی حنیفہ النعمان بن ثابت الخ (اور مرجہ کی مزید بارہ شاخیں ہیں ان میں سے ایک جہمیہ ہے اور دوسری شاخ فلاں لوگ ہیں اور تیسری شاخ فلاں لوگ ہیں اور ایک شاخ حنفی بھی ہیں جو کہ امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں) اس میں علما محققین کو کلام ہے یہاں تک کہ شیخ القطب عبدالوہاب شعرانی اس بات کے قائل ہیں کہ اس عبارت کو معاندین نے غنیۃ میں اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے بلکہ محققین کو تو اس میں بھی کلام ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں ہرگز ثابت نہ شدہ کہ ابن تصنیف آنجناب است اگرچہ انتساب آن بآحضرت شہرت وارد نظر براین کہ شاید دران حرف از ان جناب بود ترجمہ کردم چنانچہ علامہ میر حسین میبذی در دیباچہ دیوان کہ نزد عوام منسوب بحضرت امیر المومنین علی ست برہمین اسلوب معذرت کردہ (یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے اگرچہ عوام میں شہرت یہی ہے کہ اس کتاب کو انہی سے منسوب کرتے ہیں..... اور یہ بات ایسے ہی ہے جیسے کہ علامہ میر حسین میبذی نے ”دیوان“ کے دیباچہ میں معذرت کی ہے کہ لوگ اگرچہ اس میں ان

کے ”عقیدہ ارجاء“ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ان سے روایتِ حدیث ترک کر دی بلکہ جرح

”دیوان“ کو امیر المومنین سیدنا علیؑ سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے یہ ”دیوان“ ان کا نہیں ہے (علامہ ابن حجر و علامہ عبد الغنی نابلسی و علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی وغیرہ، غنیۃ کو تصنیف حضرت غوث اعظم کہتے ہیں بہر صورت امام ابو حنیفہ کا اس عبارت سے مرجعہ ہونا کب ثابت ہوتا ہے انہوں نے تو حنفیہ کہا ہے سو ممکن ہے کہ حنفیہ میں سے بعض آدمی مرجعہ کے ہم اعتقاد ہوں امام کے بعض متبع کا یہ عقیدہ ہونے سے امام کا یہ عقیدہ کیونکر سمجھ لیا گیا امام کے کمال اور ان کے مذہب کی قبولیت عام نے اُن کو لوگوں کا محسود بنا رکھا ہے ذرا سی بات بھی برائی کی کہیں مل جاتی ہے تو بدگمانی سے اس کو امام کے دامن سے باندھنا چاہتے ہیں راست بازوں کے زمرے میں ایسے شخصوں کے کلام پر اعتبار نہیں ہوتا۔ علما کے مجمع میں ایسے حضرات کا وقار نہیں ہوتا اور ہم یہ فرض کرنے کے بعد کہ غنیۃ کی عبارت سے مراد امام ابو حنیفہ ہی ہیں کہتے ہیں کہ غنیۃ میں جہاں اور اغلاط فاحشہ موجود ہیں، اسی قبیل سے، یہ بھی ایک غلطی ہے مثلاً غنیۃ میں لکھا ہے کہ حضرت مرتضیٰ نے فرمایا ہے لم یخرج النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم من الدنیا حتی بین لنا ان الامر بعدہ لا بی بکر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لی یعنی آنحضرت نے اپنی زندگی ہی میں فرما دیا تھا کہ ان کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر ہوں گے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر میں۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث بحسب ظاہر غریب معلوم ہوتی ہے مگر جب اس بات پر لحاظ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کے باب میں پچاس حدیثوں سے زیادہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض میں یہ امر تصریح کے ساتھ موجود ہے اور بغض میں بطور اشارات کے اس کا ذکر کیا ہے تو اس کی غرابت کے دفع ہو جانے میں شک نہیں رہتا اور اس کی صحت کو دل قبول کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع اور غلط ہے اس کی غرابت کسی طرح دفع نہیں ہو سکتی اور دلیل اس پر یہ ہے۔

① جب پیغمبر ﷺ کی وفات کے دن، سفینہ بنی ساعدہ یعنی بنی ساعدہ کے چبوترے میں، انصار نے یہ ٹھہرایا کہ ایک امام ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین کا ہوگا اور اپنی طرف سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور یہ بات سنتے ہی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر وہاں پہونچ گئے اور کہا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے کہ امام قریش چاہئے تب سب انصار نے قبول کیا اگر آنحضرت نے خلفا کی نام بنام تصریح کر دی ہوتی تو مہاجرین و انصار بحث نہ کرتے کہ ایک گروہ کہتا تھا ہم میں سے امیر ہو اور دوسرا کہتا تھا ہم میں سے۔ اس رد و بدل کی حاجت نہ ہوتی اور اگر کوئی کہے کہ اس قدر گفتگو تحقیق اور تلاش نص کے لئے تھی کیونکہ وہ نص مخفی تھی بعض صحابی اول اس سے واقف نہ تھے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت سے آخر میں تنزل کیوں چاہا اور حضرت علی اور صحابہ کو بیعت اور خلافت کے لئے کیوں اختیار دیا اس لئے کہ منصوص اور واجبی کام میں تواضع کرنے اور اختیار دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

② حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور ان کی خلافت پر تنصیف کی اس کی ضرورت نہ ہوتی آنحضرت ﷺ کی نص کافی تھی۔

③ حضرت عمر نے جو اپنی وفات کے وقت حضرت علی اور حضرت عثمان اور زبیر اور طلحہ اور سعد اور عبدالرحمن بن عوف کو کار خلافت کے لئے منتخب کیا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسا مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جبکہ حضرت عثمان کے واسطے جناب سرور عالم ﷺ کی طرف سے نص ہو جاتی تو حضرت عمر کو ایسا کرنے کا، کب حق پہونچتا تھا اور اگر یہ نص جناب امیر کو معلوم ہوتی تو وہ ضرور ٹوکتے۔

④ عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے مقرر ہوئے تھے اول حضرت علی کا ہاتھ پکڑ

لیا اور کہا اُنبا یعنی اعلیٰ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و سیرۃ الشیخین یعنی کتاب اور رسول اللہ کی سنت اور حضرت صدیق اور حضرت فاروق کے طریقے پر ہماری بیعت قبول کرتے ہو تو حضرت علی نے جواب دیا علی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اجتہاد رأیی یعنی میں تم سے بیعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اپنی رائے کے اجتہاد پر لیتا ہوں سیرت شیخین پر بیعت لینے سے انکار کیا عبدالرحمن نے حضرت علی کا ہاتھ چھوڑ کر حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہی بات کہی جیسا کہ شرح مقاصد میں لکھا ہے ابا یعک علی کتاب اللہ و سنت رسولہ والخلیفتین من بعده یعنی میں تمہاری بیعت کرتا ہوں کتاب خدا و سنت رسول اور طریقہ شیخین پر حضرت عثمان نے قبول کر لیا پھر سب صحابہ نے ان سے بیعت کر لی اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو ضرور حضرت علی صاف لفظوں میں کہہ دیتے کہ شیخین کے بعد جناب سرور کائنات نے حضرت عثمان کی خلافت کے لئے تنصیص کی ہے شورے کی کیا ضرورت ہے۔

⑤ حضرت علی نے جب تک حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی تھی اس عرصے میں عباس اور سفیان نے ان سے کہا کہ تم خود کیوں نہیں خلافت کا دعویٰ کرتے تو آپ نے ان کو جواب دیا کہ تم چاہتے ہو مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہو جائے پس اگر وہ نص، پیغمبر خدا سے وارد ہوتی تو آپ یوں جواب دیتے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں میرا نمبر حضرت عثمان کے بعد ہے ابھی سے میں کیوں خلافت کا خواستگار ہوں۔

⑥ ۲ھ میں جب معاویہ نے حضرت علی سے ثالثی چاہی اور ان کے اہل لشکر نے بھی ان کو مجبور کیا کہ وہ ثالثی منظور کریں پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ ضرور کہتے کہ عثمان کے بعد میری خلافت کے لیے آنحضرت ﷺ ارشاد فرما گئے ہیں اور ثالثی منظور نہ فرماتے۔

⑦ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے بیعت کرنے کے وقت ان کے احق بالخلافت ہونے کے لئے یہ کہا تھا

بھی کی اور فرمایا: ①

یہ (شبابہ بن سوار) ”ارجاء“ کی دعوت دیتے تھے اور ان سب بدعات سے زیادہ سنگین بدعت، جس کی روایت ان سے کی گئی ہے وہ یہ تھی کہ (شبابہ کہتے تھے) ”اللہ تعالیٰ جب کلام کرتا ہے تو اپنی زبان سے بولتا ہے“ اور یہ ناپاک حملہ میں نے اس شخص سے پہلے کسی سے نہیں سنا عرض کیا گیا کہ پھر آپ نے ان سے حدیث کی روایت کیوں کی ہے؟

كان يدعو إلى الإرجاء، وحقى عنه قول أئبث من هذه الأقاويل قال: إذا قال فقد عمل بجارحته، وهذا قول خبيث ماسمعت أحداً يقول، قيل له: كيف كتبت عنه؟ قال: كتبت عنه شيئاً سيراً قبل أن أعلم أنه يقول بهذا. (تهذيب التهذيب، من اسمه: شباب وشبابه وشباك، شبابہ بن سوار، رقم: ۲۸۰۸، ج: ۳، ص: ۵۹۰).

کہ ہم تم سے زیادہ کسی کو اولیٰ نہیں جانتے تم کو پیغمبر خدا نے امر دین میں ہمارا پیشوا کیا پھر دوسرا کون ہے جو تم پر سبقت کرے گا۔ صرف ہم کو شاق یہ گذرا کہ ہم پیغمبر خدا کے اہل بیت اور ارباب مشورت و اجتہاد سے تھے تم نے ہم سے صلاح کیے بغیر خلافت کا کام کیوں طے کر لیا اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو حضرت علی یوں تقریر نہ کرتے بلکہ یہ کہتے کہ تمہاری خلافت کے لئے آنحضرت نے نص کر دی ہے اس لئے امامت و خلافت کے لائق اور اولیٰ و احق تم ہی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو خلافت کے عظیم الشان کام میں صحابہ کے سامنے ضرور پیش ہوتی اور سب کو اس کا علم ہو جاتا اور اس کے موافق کام کیا جاتا۔ اگر فی الواقع جناب سرور کائنات نے ایسا فرمایا ہوتا تو صحابہ کو آنحضرت کے بعد اور پھر ہر خلیفہ کے بعد نئے خلیفہ کا انتخاب کرنے میں کیوں ایسی تشویش اور تردد پیدا ہوتا، سب موافق اس حدیث کے عمل کرتے اور اپنی رائے کو دخل نہ دیتے۔ پس ثابت ہو گیا کہ غنیۃ الطالبین کی ساری باتیں صحیح نہیں ہیں اور جبکہ ایسے اہم کام کی حدیث موضوع لکھ دی ہے تو امام ابوحنیفہ کی نسبت مرجحہ ہونے کا غلط قول لکھ دینے میں تعجب کی کوئی بات ہے۔ (ص: ۳۴۵ تا ۳۵۰)

تو (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے) ارشاد فرمایا میں نے اُن سے جو بھی روایت حدیث کی ہے تو یہ اُس وقت کی بات ہے، جب مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ یہ ناپاک جملہ کہتا ہے۔ (یعنی یہ بدعتیوں کا عقیدہ رکھتا ہے)۔

اس موقع پر دو باتوں کا خیال رہنا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ شبابہ بن سوار کے ان گمراہ کن عقائد کا علم جب حضرت الامام رحمہ اللہ کو ہوا تو انہوں نے ان سے روایت حدیث چھوڑ دی اور دوسری بات یہ کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک زبان ہے، جس سے وہ بولتا ہے تو یہ عقیدہ نہایت گمراہ کن ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ ”کلام“ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ گونگے پن یا سکوت کے عیوب سے پاک ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔ اس کا کلام کمال محض ہے۔ انسان کلام اور گفتگو کے لیے اپنے اعضاء و جوارح مثلاً تالو، زبان، دانتوں اور ہونٹوں کا محتاج ہے۔ یہ سب صفات انسانوں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام عیوب اور جسم سے پاک اور اپنی مخلوق کی مشابہت سے ہر طرح منزہ و مبرا ہے۔ اس کا کلام صوت یعنی آواز سے بھی پاک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جو تفصیلی جرح فرمائی ہے تو اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس راوی میں ایک توار جاء کی بدعت پائی جاتی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ باری تعالیٰ کے لیے تجسیم کے قائل تھے۔

⑧

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے بعد شبابہ بن سوار سے بلحاظ زمانہ قریب ترین تیسری شخصیت عثمان بن سعید دارمی (از ۲۰۰ھ تا ۲۸۰ھ) کی ہے۔ ”دارمی“ نسبت سے پہلی شخصیت جو ذہن میں آتی ہے وہ حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن ابو محمد سمرقندی رحمہ اللہ کی ہے جو کہ مشہور حافظ الحدیث، مسند الدارمی کے

مؤلف امام مسلم، ترمذی اور ابوداؤد رحمہم اللہ جیسے کبار محدثین کے استاد اور اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۸۱ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۵۵ھ میں ہوا۔ مگر یہاں پر وہ مراد نہیں ہیں بلکہ یہ ایک دوسری شخصیت عثمان بن سعید دارمی ہیں، جو کہ اپنے عقیدے کے اعتبار سے نہایت گمراہ انسان تھے۔ مجسمیوں کے امام اور اُس زمانے کے سرکردہ، بدعقیدہ داعی تھے۔ علم حدیث اگرچہ انہوں نے امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام یحییٰ بن معین اور امام اسحاق بن راہویہ جیسے کبار ائمہ حدیث رحمہم اللہ سے حاصل کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی میں اتنے مسلم تھے کہ صحاح ستہ کے تمام ائمہ رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ البتہ اس گمراہ شخص میں ایک خوبی تو جھوٹ نہ بولنے کی تھی جس کی وجہ سے ان کا اعتبار مستند مؤرخین میں ہوتا ہے اور دوسری خوبی یہ تھی کہ یہ جن لوگوں کو گمراہ سمجھتے تھے ان کا خوب رد کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے اسی جذبے کے تحت ”جہمیہ“ کے رد میں کتاب ”نقض علی بشر المریسی“^① تحریر کی۔ اگرچہ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود بھی گمراہ تھے۔

ان کہ انہی دو خوبیوں کی وجہ سے یہاں پہنچ کر خیال آیا کہ ان کی رائے بھی اس راوی کے بارے میں پڑھنی چاہیے کہ وہ کیا لکھتے ہیں؟ چنانچہ ان کی کتاب ”تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابی زکریا بن معین فی تخریج الرواۃ وتعدیلہم“ کو پڑھا تو انہوں نے اس راوی کا دو مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ ایک تو جب وہ امام شعبہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں (عثمان) نے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام شعبہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کے متعلق دریافت کرتے

① اس کتاب کا نام ”نقض الامام ابی سعید عثمان بن سعید علی المریسی الجہمی العنید فیما افتری علی اللہ عزوجل من التوحید“ ہے۔ یہ تمام کتاب صفات باری تعالیٰ کے متعلق گمراہی اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف بھری پڑی ہے۔

ہوئے یہ عرض کیا کہ آپ (تجلی بن معین) شبابہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے ارشاد فرمایا وہ ثقہ ہے۔^(۱)

اور دوسرے مقام پر انہوں نے امام تجلی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک راوی حدیث ”شاذان“ کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ شاذان سے روایت میں کچھ حرج نہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ امام آپ کو شاذان زیادہ محبوب ہیں یا شبابہ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے شبابہ زیادہ اچھے لگتے ہیں۔^(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن سعید الدارمی (گمراہ) جو کہ شبابہ بن سوار کے قریب ترین دور، ہی کے ایک مؤرخ ہیں، کے نزدیک یہ راوی ثقہ بھی تھے اور ان میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی جس کی وجہ سے ان کی روایت رد کی جاتی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امام تجلی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شبابہ بن سوار ایک ثقہ راوی حدیث تھے۔

⑨

شبابہ بن سوار کا انتقال تیسری صدی کے اوائل (تقریباً ۲۰۶ھ) میں ہوا اور ان کے چوتھے قریب ترین مؤرخ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ ہیں جن کی پیدائش ۲۱۳ھ میں ہوئی اور اس وقت شبابہ بن سوار کے انتقال کو صرف سات برس گزرے تھے۔ ابن قتیبہ مؤرخ نے جب اپنی مشہور زمانہ کتاب

① أخبرني عثمان قال: سألت يحيى بن معين عن أصحاب شعبة قلت: فشبابه ؟

قال: ثقة أصحاب شعبه ، رقم : ۱۰۸ ، ص : ۶۵ .

② حدثنا عثمان قال : سألت يحيى عن شاذان ؟ فقال : لا بأس به . قلت : هو أحب اليك أم شبابة ،

فقال : شبابة أحب إلي . (باب الشين ، رقم : ۴۱۵ ، ص : ۱۳۱) .

بعد یہ بھی بتاتے ہیں کہ شبابہ بن سوار اپنی جرح کے معاملے میں خاص طور سے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنا دفاع کر سکیں۔ پھر اسی معاملے میں قاصد بھی فریقین کے پیغامات لاتے، لے جاتے رہے لیکن بات نہ بن آئی اور انجام کار یہ مدائن واپس چلے گئے۔^①

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے اپنے عقیدے کی وضاحت یا اثبات کے لیے کوشش کی اور پھر وہ بہت مغموم و مکروب بھی رہے کہ یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھے لیکن ایسے نہ ہو سکا۔

11

چوتھی صدی ہی کے ایک اور امام اسماء الرجال، ابن ابی حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مکمل نام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادريس التیمی الحظلی الرازی اور سن وفات ۳۲۷ھ

①قلت لأبي عبد الله: شبابة أي شيء يقول فيه؟ فقال: شبابة كان يدعو إلى الإرجاء. وحكي عن شبابة قولاً أحبث من هذه الأقاويل، ما سمعت عن أحد بمثله. قال: قال شبابة: إذا قال فقد عمل، قال: الإيمان قول و عمل، كما تقولون فإذا قال فقد عمل بجارحته أي بلسانه حين تكلم به. قال أبو عبد الله: هذا قول خبيث، ما سمعت أحداً يقول، ولا بلغني قلت كيف كتبت عن شبابة؟ فقال لي نعم كتبت عنه قديماً شيئاً يسيراً قبل أن نعلم أنه يقول بهذا، قيل له: كنت كلمته في شيء من هذا؟ قال: لا. قال وحدثني بعض الأسياف أن شبابة قدم من المدائن قاصداً للذي أنكر عليه أحمد بن حنبل، فكانت الرسل تختلف بينه وبينه، قال: فرأيت تلك الأيام مغموماً مكروباً قال ثم انصرف إلى المدائن قبل أن يصلح أمره عنده. (باب الشين، رقم: ۷۱۹، السفر الثاني، ج: ۲، ص: ۱۹۶).

ہے۔ علم الرجال پر ”الجرح والتعديل“ کے نام سے انہوں نے اپنی کتاب کو مرتب کیا ہے جو کہ 10 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس راوی کے تذکرے میں انہوں نے نہ صرف یہ کہ کوئی جرح نہیں کی بلکہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن مدینی رحمہ اللہ کے متعلق یہ تصریح کی ہے ^(۱) کہ وہ شبابہ بن سوار کو ”ثقة“ مانتے تھے اور علم حدیث کے طلباء کو معلوم ہے کہ جب کسی راوی کو آئمہ محدثین ثقہ قرار دیتے ہیں تو وہ کس درجے کا راوی ہوتا ہے۔

(12)

چوتھی صدی ہی کے امام حافظ محمد بن حبان ابو خاتم البستی رحمہ اللہ المتوفی ۳۵۴ھ نے اسماء الرجال پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ”کتاب الثقات“ بھی اس راوی کا تذکرہ کیا ہے لیکن صرف تعریف ہی کی ہے اور انہیں ”مستقیم الحديث“ (علم حدیث میں قابل بھروسہ آدمی) قرار دے کر ان کا تذکرہ مکمل کر دیا ہے۔ ^(۲)

① نا عبد الرحمن حدثني أبي، قال: قال علي بن المديني: شبابة بن سوار ثقة. (باب من روى عند

العلم من الأفراد في باب الشين، رقم: ۱۷۱۵/۶۸۳۴)

② شبابة بن سوار المدائني كنيته أبو عمر الفزاري، يروي عن ابن أبي ذئب و شعبة، روى عنه

أبو بكر بن أبي شيبة و أهل العراق، مات سنة أربع أو خمس و مائتين يوم الخميس لعشر مضين من

جمادى الأولى، وقد قيل سنة ست و مائتين، مستقيم الحديث، (باب الشين، ج: ۸، ص: ۳۱۲).

(13)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، افراد کی جرح و تعدیل کے جس سلسلے کا آغاز فرمایا تھا، حضرت رسالت مآب ﷺ نے اُسی سلسلے کو جاری رکھا اور اپنے دور میں بھی بہت سے افراد کی تعریف و توثیق بھی کی اور بعض افراد کو مجروح و مذموم بھی قرار دیا وہ ہستی خود خاتم الانبیاء و المعصومین تھی۔ عصمت اس کے لوازمات نبوت میں سے تھی اس لیے اُن پر جرح تو اپنے آپ کو ایمان سے خارج کرنا تھا۔ اُن کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ بھی ایسا تھا جو سب کے سب عدول تھے۔ پھر تابعین کا دور آیا اور اُن میں ابرار و اتقیاء بھی شامل تھے اور فساق و فجار بھی۔ اس کے بعد افراد کی جرح و تعدیل کی امامت کا تاج اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کے سر پہ رکھا اور اُن کا حال یہ تھا کہ وہ جس کی توثیق کر دیتے تھے، وہ اُمت میں ثقہ ٹھہرتا تھا اور جس پر وہ جرح کر دیتے تھے محدثین اُسے مجروح قرار دے دیتے تھے ان میں سے پہلی ہستی حضرت یحییٰ بن سعید القطان اور دوسری ہستی حضرت عبدالرحمن بن مہدی رحمہما اللہ کی تھی۔ ان کے بعد کے طبقے میں حضرت امام ابوداؤد طیالسی، نیل بن مخلد اور عبدالرزاق بن ہمام رحمہم اللہ ائمہ جرح و تعدیل ٹھہرے اور پھر اُن کے طبقے کے بعد اسی علم پہ حضرت یحییٰ بن معین، صاحب طبقات محمد بن سعد اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے کتابیں لکھیں۔ تصنیفات کا یہ دور اگرچہ پہلے بھی تھا مگر اب بہت بڑے بڑے افراد اس میدان میں اُترے اور امام بخاری، امام مسلم رحمہما اللہ وغیرہ کی کتابیں سامنے آئیں، وہ راوی جو ضعیف اور متروک قرار دیئے گئے اُن پر اور جو راوی ثقہ قرار پائے اُن پر، علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی گئیں مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ”کتاب الضعفاء“ امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب ”کتاب الضعفاء والمرتزکین“ انہی کی دوسری کتاب ”کتاب الضعفاء“ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ کی ”کتاب الضعفاء“ بہت مشہور ہوئیں امام ابو حاتم البستی کی ”کتاب الثقات“ اور امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی کی کتاب ”الکامل فی ضعف الرجال“ نے بھی اس علم میں شہرت پائی۔ یہ کتاب

نو (9) جلدوں میں بیروت سے طبع ہوئی ہے۔

ابن عدی الجرجانی رحمہ اللہ نے شبابہ بن سواری کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ راوی کا اصل نام ”مروان“ تھا لیکن شبابہ اصل نام پر غالب آ گیا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان سے روایت حدیث ترک کر دی تھی لیکن خود صاحب تصنیف کا خیال یہ ہے کہ لوگوں نے شبابہ کو ”ارجاء“ کی وجہ سے قابل مذمت قرار دیا تھا ورنہ ان سے روایت حدیث میں کوئی حرج نہیں اور علی بن مدینی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف تھا۔^①

14

علماء اسماء الرجال میں چوتھی صدی ہی کی ایک اور صاحب علم ہستی ابن شاہین الواعظ رحمہ اللہ کی بھی تھی ان کا اصل نام عمر بن احمد بن عثمان، کنیت ابو حفص اور سنہ پیدائش ۲۹۷ھ تھا انہوں نے ۱۱ سال کی عمر میں ہی حدیث کو لکھنا اور روایت کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ تصنیف و تالیف کی طرف مائل ہوئے، اہل علم نے ان کا مرتبہ جانا اور یہ اپنے دور کے ائمہ حدیث میں شمار کیے گئے۔ انہوں نے اگرچہ کتابیں تو بہت سی لکھیں لیکن ان میں سے بہت کم چھپی ہیں، کچھ مخطوطات ہیں اور اکثر مفقود ہیں مثلاً ان کی ① کتاب الأبواب ② کتاب الأربعین حدیثاً ③ کتاب الأكابر عن الأصاغر فی السنن ④ کتاب بر الوالدین و مافیہ من الفضل والندب علی ذلک ⑤ کتاب البکاء و فضل من بکی من خشية الله عزوجل

① وشبابہ عندي إنما ذمه الناس للإرجاء الذي كان فيه وأما في الحديث فإنه لا بأس به كما قال علي بن المديني والذي أنكر عليه الخطاء ولعله حدث به حفظاً. (أسام شتى ممن ابتداء أسامیہم شین، رقم : ۹۰۵/۲۵، الجزء الخامس، ص : ۷۱).

⑥ کتاب التاریخ ⑦ کتاب التفسیر الکبیر ⑧ کتاب دلائل النبوة ⑨ کتاب حصال الایمان ⑩ کتاب الصحابة ⑪ کتاب العقل و فضله و ما يبلغ العبد به من الکرامات فی الدنيا والآخرة ⑫ کتاب معجم الشيوخ ⑬ کتاب المعراج ⑭ کتاب المسند ⑮ کتاب من روى عن أبيه من الصحابة و التابعين، وغیره اور دیگر بہت سی کتابیں اب تک تلاشِ بسیار کے باوجود، دستیاب نہیں ہو سکیں لیکن ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے ان کی ایک کتاب ”تاریخ اُسماء الثقات“ کے نام سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہے اُس کتاب کے مقدمے میں وہ تحریر فرماتے ہیں: ①

میں اس کتاب میں اُن لوگوں کا ذکر کروں گا جو علم حدیث کی روایت کرتے ہیں اور اُن کی سند ہم تک پہنچی ہے اور علم حدیث کے وہ آئمہ جن کی عدالت کی شہرت دنیا بھر میں پھیل چکی ہے اور جن کی شہادت قبول کی جاتی ہے وہ ان رواۃ حدیث پر اعتماد کرتے ہیں۔ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان عبدالرحمان بن مہدی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی اور احمد بن صالح نے جن افراد پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، میں نے اُن کا 30 تذکرہ لکھا ہے۔

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ وضاحت کر دی کہ وہ اپنی اس کتاب میں صرف ثقہ رواۃ کا ہی تذکرہ لکھیں گے

① کتاب اُسماء الثقات ممن روى الحديث، ممن انتهى إلينا ذكره، عن نقاد الحديث، ممن قبلت شهادته، و اشتهرت عدالته، و عرف و نقل، مثل: يحيى بن سعيد القطان، و عبدالرحمان بن مہدی، و يحيى بن معین، و أحمد بن حنبل، و علی بن المدینی، و عثمان بن أبی شیبہ، و محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی، و أحمد بن صالح و مثل من تقدمهم، و مثل من قاربهم. و أخرجت اُسماء الثقات علی حروف المعجم ليقرب علی الناظر فيه اسم من قصده، باللہ نستعين، و عليه نتوكل. (ص: ۵۸)

اور پھر آگے چل کے شبابہ بن سوّار کا تذکرہ بھی لکھ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ راوی اُن کے نزدیک ثقہ ہیں۔ پھر وہ اپنی اسی کتاب میں جابجا عثمان بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ جب اُن سے شبابہ بن سوّار کے ”عقیدہ ارجاء“ کے متعلق دریافت کیا گیا تو عثمان نے کہا کہ یہ تہمت ہے۔^①

ابن شہاب بن الواعظ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۳۸۵ھ میں ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبابہ بن سوّار پر ”عقیدہ ارجاء“ کی تہمت کی تردید بھی اُسی زمانے میں شروع ہو گئی تھی چنانچہ سابقہ حوالوں کی روشنی میں اب تک جو خلاصہ سامنے آیا، وہ یہ کہ

① شبابہ بن سوّار کا تعلق مرجئہ سے تھا۔

② وہ ثقہ اور ان کی روایات حدیث ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قابل قبول تھیں۔

③ وہ شیعہ فرقے کے سخت خلاف تھے۔

④ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔

⑤ انہیں ”عقیدہ ارجاء“ سے بری بھی قرار دیا گیا۔

15

پانچویں صدی ہجری میں اسماء الرجال پر جو کتابیں تحریر کی گئیں، ان میں ایک بہت اہم اور شاندار کتاب ”تاریخ بغداد- او- مدینۃ السلام“ ہے۔ حافظ ابو بکر احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۳ھ جو کہ

① وقال عثمان : شبابة، صدوق، حسن العقل، ثقة، نذكر له الإرجاء عنه فقال : كذب (ص: ۱۷۰)۔

خطیب بغدادی کے نام سے مشہور ہیں، یہ شاہکار کتاب ان کے سیال قلم کا نتیجہ ہے۔ مصنف نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر، زم زم پی کر جو تین دعائیں مانگی تھیں، اُن میں سے ایک دعا اس کتاب کی تکمیل اور وجود کے لئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے اُن کی یہ دعا قبول فرمائی، اُن کی دوسری دعا کہ قبر کی جگہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کے پہلو میں مل جائے، وہ بھی قبول ہوئی اور امید ہے کہ اُن کی تیسری دعا، بھی قبول ہوگی کہ آخرت میں آبرو باقی رہے۔ حال ہی میں ”دار الکتب العلمیہ“ سے اس کتاب کا جو نسخہ چھپ کر سامنے آیا ہے، تیس جلدوں پر مشتمل ہے اگرچہ اس میں بے شمار روایات و واقعات قابل جرح و تعدیل ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے یہ کتاب تاریخ اسلام کی ایک شاہکار کتاب ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے راوی زیر بحث، شہابہ بن سوار کا تذکرہ چار صفحات میں تحریر فرمایا ہے ^①۔ اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ ^② (از ۲۰۰ھ تا ۲۶۳ھ) کا یہ قصہ بھی نقل کیا ہے کہ سعید بن عمرو البرزعی کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں حضرت ابو زرعہ رحمہ اللہ سے ایک صاحب، ابو معاویہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ مرجئی تھے؟ تو انہوں نے فرمایا جی ہاں وہ نہ

① ذکر من اسمہ شیخ، ذکر مفارید الأسماء فی هذا الباب، رقم: ۴۸۳۹، ج: ۹، ص: ۲۹۴۔
 ② ”ابو زرعہ“ کنیت کے بہت سے محدثین ہیں۔ مثلاً ابو زرعہ الکشی، ابو زرعہ الیمنی، ابو زرعہ الرازی الصغیر، ابو زرعہ الرازی الاصف، ابو زرعہ الدمشقی الصغیر، ابو زرعہ الاسترأبازی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ الطبقة الثالثة عشرہ (رقم: ۹۲۸، ج: ۳، ص: ۹۹۷) میں ان حضرات کا تذکرہ کیا ہے لیکن یہاں پر مراد سید الحفاظ امام عبید اللہ بن عبد الکریم ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایات میں ان کے شاگرد سعید بن عمرو البرزعی ہیں اور یہ البرزعی انہی حافظ ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ کی روایات بیان کرتے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء، رقم: ۴۸، أبو زرعہ الرازی رحمہ اللہ، ج: ۱۳، ص: ۶۵۔

صرف یہ کہ مرجئی تھے بلکہ اپنے اس باطل عقیدے کی دعوت بھی دیتے تھے۔ پھر یہ سوال کیا گیا کہ کیا شبابہ بن سوار بھی ایسے ہی تھے؟ تو انہوں نے فرمایا جی ہاں وہ بھی ایسے ہیں تھے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ کیا شبابہ بن سوار نے ”عقیدہ راجاء“ سے رجوع کر لیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا جی ہاں انہوں نے ”عقیدہ راجاء“ سے رجوع کر لیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔^① خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرے کی آخری سطر میں ابو محمد ابن قتیبہ کی کتاب ”المعارف“ سے نقل کرتے ہیں کہ شبابہ بن سوار مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور پھر وفات تک وہیں رہے۔

زیر بحث راوی کے یہ جو حالات ”تاریخ بغداد“ کے حوالے سے سامنے آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (شبابہ) اپنے پہلے عقیدے کے مطابق ایمان صرف زبانی اقرار کو جانتے تھے اور عمل کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے اور بعد ازاں جب انہوں نے اپنے اس باطل عقیدے سے رجوع کر لیا تو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق اعمال کی اہمیت کے بھی قائل ہو گئے تھے اور یہ عثمان بن ابی شیبہ اور ابن شاپین الواعظ کے بعد حافظ ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری شہادت ہے کہ انہوں نے ”عقیدہ راجاء“ سے رجوع کر لیا تھا اور یہاں پر پھر ابن قتیبہ کی کتاب المعارف سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس راوی کا انتقال مکہ مکرمہ ہی میں ہوا۔

① حدثنا سعيد بن عمرو البردعي قال: قيل لأبي زرعة في أبي معاوية - وأنا شاهد - كان يرى الإرجاء. قال: نعم، كان يدعو إليه، قيل فشبابة بن سوار أيضاً؟ قال: نعم، قيل: رجع عنه؟ قال: نعم قال: الإيمان قول و عمل.

16

پانچویں صدی ہجری ہی کے ایک مؤرخ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے شاگرد حافظ ابن ماکولا رحمہ اللہ ہیں (از ۴۲۲ھ تا ۴۷۴ھ) ^(۱) اگر ان کے غلام انہیں شہید نہ کر دیتے تو غالباً یہ اپنے استاد، خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے بعد اس صدی کے سب سے بڑے عالم اسماء الرجال ہوتے۔ ان کی کتاب ”الإكمال فی رفع الارتياب عن المؤلف والمختلف فی الأسماء والكنی والأنسب“ سات جلدوں میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن، ہندوستان سے ۱۹۶۵ء میں چھپی ہے جس میں اس راوی کے حالات مذکور ہیں لیکن مؤلف کسی بھی طرح کی کوئی جرح کیے بغیر گذر گئے ہیں۔ ^(۲)

17

صحیح بخاری اور مسلم کے ”رجال“ پر امت نے جو کام کیا ہے اس میں ایک کتاب ”کتاب الجمع بین رجال الصحیحین بخاری و مسلم للکتاب أبی نصر الکلابازی وأبی بکر الأصبهانی“ بھی ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں لکھی گئی (باقی آئندہ شمارے میں)

① ان کی تاریخ وفات کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی وفات کے سال کے متعلق ۴۷۰ھ سے لے کر ۴۸۶ھ تک کے تمام اقوال نقل کیے ہیں۔ سیر أعلام النبلاء۔ رقم: ۲۹۸، ابن ماکولا رحمہ اللہ، ج: ۱۸، ص: ۵۶۹۔

② حرف الشین، باب شبابة و شابة و سیابة، ج: ۵، ص: ۱۲۔

ایک یادگار علمی نشست

حافظ سید علی محی الدین

جامعہ اسلامیہ رحمانیہ

مین بازار، ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

(0344-5209738)

”الندوة“ کا لفظ آتے ہی شائستگی و متانت، ادب و سنجیدگی، تحقیقی و علمی ذوق اور تاریخی و ادبی گہرائی کی تصویریں ذہن کی سکرین پر جلوگانے لگتی ہیں اور اگر توازن و اعتدال، وسعت و جامعیت اور مختلف فکری دھاروں میں قربت و تواصل کو بھی شامل کر لیا جائے تو ندوی عمارت کے عناصر کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

کچھ الفاظ و ادارے بلکہ شخصیات بھی خاصی معانی و مفاہیم کی علامت اور مترادف بن جاتے ہیں دیوبند حریت و آزادی، دینی غیرت و حمیت، علمی و عملی صلابت، تزکیہ نفس و اصلاح باطن اور سیاسی فہم و شعور کا نشان رہا۔

جب کہ ندوہ اپنی وسیع الفکری، حکمت و دانش مومن کی گمشدہ میراث کی حکمت عملی، قصہ قدیم و جدید کو دلیل کم نظری اور رد و قبول میں صالح و فاسد کی تقسیم کے اصول کی وجہ سے بعض معاصر حلقوں میں ملامت اور سوالیہ نشان رہا۔

سردست میرے پیش نظر دیوبند و ندوہ کے امتیازات و خصوصیات، مختلف النوع امور میں ان کی حکمت عملی کے نتائج و اثرات اور موجودہ حالات میں ندوی فکر و خیال کی مسلسل غیر محسوس انداز میں وسعت پذیری اور فروغ کی وجوہات کا تجزیہ و تنقید نہیں۔

بلکہ بڑے اور حقیقی ”ندوة العلماء لکھنؤ“ کے ضمن میں انہیں بنیادوں پر قائم، پاکستان میں ایک نہایت کم عمر ”الندوہ لاہوری“ کا تعارف اور اس میں انعقاد پذیر علمی نشست کے ہلکے پھلکے تاثرات و احوال قارئین تک

پہنچانا مقصود ہیں۔ چھتر، مری اور اسلام آباد کے درمیان قدرتی حسن سے مالا مال ایک صحت افزاء مقام اور تفریحی زبان میں پکنک پوائنٹ ہے۔ ملکہ کوہسار کی قربت مکانی کی وجہ سے فطری حسن اور دلکش وحسین مناظر سے چھتر کو بھی وافر حصہ ملا۔ بہتی ندی اور گھنے درختوں کی ظاہری و مادی خوبصورتی کے بچوں بچ علم و تحقیق کی ایک دنیا ”الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ“ کے نام سے مفتی محمد سعید خان صاحب نے قائم کر رکھی ہے۔

”الندوہ ٹرسٹ“ کے متفرق فلاحی و اصلاحی شعبوں کے ساتھ ساتھ اہل علم و تحقیق کے لیے علوم اسلامیہ و عربیہ کے وسیع اور نایاب ذخائر اور ہزاروں کتابوں اور متعدد منظومات پر مشتمل، ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی اپنی صفائی اور شگفتگی کے ساتھ قائم ہے۔ جو حقیقی معنوں میں ذوق مطالعہ اور اسلامی علوم پر تحقیق کے کام کرنے والوں کی پیاس بجھاتا بھی ہے اور اضافہ بھی کرتا ہے۔ اور ہر صاحب ذوق، کتابوں کے اسی جہاں میں داخل ہونے کے بعد مطالعاتی اعتکاف کی نیت کرتا ہے۔

مفتی محمد سعید خان صاحب خود بھی ماشاء اللہ پختہ، ٹھوس علمی استعداد، قدیم و جدید مآخذ و مصادر کا مطالعہ اور وسیع تراقیات رکھنے کے ساتھ ساتھ دعوتی و اصلاحی طرز اسلوب پر مبنی ریڈیائی درس کی وجہ سے سنجیدہ و تعلیم یافتہ طبقے میں بے انتہا مقبول ہیں۔ خاص طور سے www.seerat.net پر تو ان کے بیانات دنیا کے ایک سو نو¹⁰⁹ معروف اور متعدد مجہول ممالک میں اُردو دان طبقے میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ سنے جا رہے ہیں اور 2011ء میں اس ویب سائٹ پر آنے والوں کی تعداد پچاس لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی یہ تمام تفصیلات اسی ویب سائٹ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اور حیرت کی بات ہے کہ ایف ایم (F.M-100) ریڈیو جیسے فورم پر بھی ان کے خطبات محض عملی و اخلاقی موضوعات پر نہیں ہوتے بلکہ عقائد و افکار بالخصوص فرق منخرفہ اور اعتدال سے ہٹے ہوئے نظریات کا علمی نقد و احتساب بھی ہوتا رہتا ہے۔ اکابر علماء بالخصوص حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب پر خصوصی شفقت فرماتے رہے۔ حال ہی میں معروف و مشہور عالمی شخصیت مولانا وحید الدین

خان صاحب نے اپنے ماہانہ مجلہ ”الرسالہ“ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کے طے شدہ دعوے کا انکار کرتے ہوئے ان کے اقوال و تحریرات کی تاویل کی تو جناب مفتی صاحب نے مسلمانان عالم کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے انتہائی جاندار و طاقتور ردِّ تحریر فرمایا۔ اس تحریر کا عنوان ہے ”مولانا وحید الدین خان صاحب کی بے خبری یا تجاہل عارفانہ“ اور اُمت مسلمہ کے اس اجماعی موقف کی عقلی و دینی اصولوں کی روشنی میں توثیق فرمائی کہ مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت تھا اور اسی وجہ سے وہ اور اس کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں تاوقتیکہ اُس کو نبی ماننے والے اُس کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے دوبارہ اسلامی عقائد پر ایمان نہ لائیں۔ اس مضمون کو ملک اور بیرون ملک سنجیدہ جرائد نے انتہائی معقول و بروقت اور مسلمانوں کی متفقہ آواز قرار دیتے ہوئے نقل کیا۔

”الندوہ لائبریری“ میں وقفاً اہل علم شخصیات کو مدعو کر کے ان کے ساتھ وقت گزارنے کی مجالس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ادبی دنیا میں تو یہ روایت ”شام منانے“ اور ”بیٹھک“ کے نام سے معروف ہے لیکن دینی علمی فضائیں اسی تصور و خیال سے کسی قدر نامانوس ہیں۔ حالانکہ شخصیات سے کامل استفادے کے لیے معروف طریقوں سے ہٹ کر، ایسی مجالس بھی بے انتہا مفید ہوتی ہیں۔

ان منتخب افراد کی ایک ایسی ہی یادگار علمی نشست گذشتہ اتوار ”الندوہ لائبریری“ کے سبزہ زار میں چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، مولانا محمد خان شیرانی صاحب مدظلہم کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے خلف الرشید حضرت مولانا قاضی ظہور حسین صاحب، بلوچستان حکومت میں جمعیت کے فقیر مناش سابقہ و موجودہ وزراء، مولانا ولی خان المظفر، مولانا سجاد الحجابی (مردان)، مولانا شجاع الملک (امیر جمعیت علمائے اسلام مردان) اور بڑی تعداد میں علماء و طلباء شریک ہوئے۔

مولانا محمد خان شیرانی صاحب کی یہ شہرت پہلے سے سن رکھی تھی کہ وہ اپنی گہری سیاسی سمجھ بوجھ کی وجہ سے جمعیت کا دماغ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی وسیع المطالعہ اور ٹھوس علمی شخصیت بھی ہیں۔

اور راقم السطور نے اسی علمی مناسبت سے کچھ محدود و ناقص سوالات بھی لکھ کر جیب میں رکھ لیے تاکہ اگر مناسب موقع ملے تو ان کے جوابات مولانا شیرانی صاحب سے گوش گذار کیے جائیں۔ جوں ہی مولانا شیرانی تشریف فرما ہوئے اور مجلس آراستہ ہوئی۔ تو گفتگو علم الکلام میں ذات و صفات باری تعالیٰ کے مسئلے پر چل نکلی اور مولانا شیرانی صاحب کا علمی سمندر بھی ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ تشبیہ و تجسیم کے مشہور اختلافات کی توضیح و تنقیح، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلامی موقف کی تصویب اور ان کتب و شخصیات کے حوالے جو چھٹی صدی ہجری سے بھی پہلے گذریں۔ ان تمام عقائد اسلامیہ کے ان مشکل اور دقیق ترین مسائل پر مولانا شیرانی کی گفتگو نہایت جامع، انتہائی آسان و دلنشین تفسیر کے ساتھ، مربوط و منظم انداز میں، متعین شخصی و کتابی حوالوں کے ساتھ پہلی بار سنی۔ اور اپنے سوالات جیب میں رکھ کر فقط سننے میں ہی خیر نظر آئی۔

مولانا شیرانی کلامی دائرے سے علم السیاسۃ میں داخل ہوئے اور شیعہ علم السیاسۃ کے اصول و مبادی پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی وسیع تر معلومات سے نوازا۔

مولانا ولی خان امظفر نے گفتگو کا رُخ دینی تعلیمی نظام کی اصلاح و ترمیم اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کام میں مغربی غلبے اور اثرات کا خاطر خواہ نوٹس نہ لینے، کی طرف موڑ دیا۔ مولانا ولی صاحب کا کہنا تھا کہ مدارس کے کردار کو مزید موثر و طاقتور بنانے اور ان کے اثرات کو وسیع کرنے کے لیے بعض تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ ہر دم بدلتے حالات پر گہری نظر ڈالتے ہوئے رائج الوقت تمام تعلیمی نظاموں کا جائزہ لے کر ان کی خوبیوں کو سمیٹتے ہوئے بتدریج اصلاحی و عملی اقدامات کرنا ہوں گے اور اس سلسلے میں عرب اسلامی جامعات کے کلیات سسٹم کو بھی سمجھنے سے کافی حد تک مدد مل سکتی ہے ضمناً انہوں نے بروقت اقدامات و اصلاح نہ کرنے کے عمومی مزاج کی بھی شکایت کی اور اپنا اشکال مغربی مفکرین کے حوالے سے پیش کیا کہ شاہ ولی اللہ کے قابل قدر تجدیدی کام میں یہ خلافی الواقع محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ عظیم نابغہ انگریزوں کی آہٹ و اثرات کو پیشگی نہ سونگھ سکا اور عملی رکاوٹیں پیدا نہیں کیں۔

مفتی محمد سعید خان صاحب نے ان باتوں کے جواب میں ایک تو اس بات پر اصرار کیا کہ ہمیں اُسی قدیم

درس نظامی کی طرف لوٹنا چاہیے جس درس نظامی کو پڑھ کے اکابر علماء اور اہل علم اُمت میں پیدا ہوئے تھے اور اُس درس نظامی میں بہت کم ترمیم و اضافے کے ساتھ، جدید دور کے وہ علماء تیار کرنے چاہئیں جو نہ صرف نئے اُٹھتے ہوئے علمی مسائل کا حل دے سکیں بلکہ مغربی فلسفے اور فکر کا بھی توڑ بھی اُن کے پاس موجود ہو اور جو شکایت آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے ہے وہ درحقیقت اُردو لٹریچر میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تجدیدی کام کے حوالے سے یہ اعتراض سب سے پہلے مولانا مودودی صاحب نے ”تجدید احیائے دین“ نامی کتاب میں لکھا تھا اور یہ بھی کتاب نہیں تھی بلکہ یہ وہ مقالہ تھا جو ماہنامہ ”الفرقان“ کے لیے تحریر کیا گیا تھا اور انہیں یہ غلط فہمی خاص اسباب کی بناء پر ہوئی تھی۔

اصل بات یہ تھی کہ حضرت شاہ صاحب نے اولاً اپنی بھرپور توجہ ہندوستان کے مسلمانوں کے اُن امور پر مرکوز کی، جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑ چکا تھا اور انہوں نے ہندوستان میں جو بدعتی فرقے سر اُٹھا رہے تھے اُن کے خلاف اپنا قلم استعمال کیا پھر سرحدوں کی حفاظت کے لیے انہوں نے مرہٹوں کی طاقت کو توڑنے کے لیے جو احمد شاہ ابدالی کو مدعو کیا، کیا یہ کارنامہ کچھ کم ہے؟

پھر مجلس میں بات دوسری طرف کو چل پڑی اور کلیۃ المعیشۃ والاقتصاد کی اصطلاح استعمال ہوئی، اس پر مولانا شیرانی صاحب نے حاضرین سے استفسار کیا کہ معیشت واقتصاد کے الفاظ میں کیا نسبت ہے؟ مولانا ولی مظفر صاحب نے جواباً کہا کہ جدید عربی میں یہ الفاظ مترادف استعمال ہوتے ہیں پھر مولانا شیرانی صاحب نے مختصر اور جامع وضاحت فرمائی کہ معیشت کا تعلق انسانی کسب سے ہے اور اقتصاد کا نظام ریاست کے وجود کے ساتھ منسلک ہے۔

کئی گھنٹوں کی اس علمی و فکری نشست میں وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ لطف و دلچسپی میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور لمحہ بھر بھی تھکاوٹ اور بے رغبتی کا احساس نہیں ہوا۔ ایسی مجالس دینی حلقوں میں نہایت کم یاب ہو چکی ہیں جن میں اوّل و آخر مسلسل اور مربوط گفتگو، شائستہ و شستہ انداز میں، علمی و اختلافی مسائل و موضوعات پر سننے کو ملیں۔

انتہائی دردِ دل کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ علم و اخلاق میں انحطاط پیدا ہو چکا، حقیقی صحبت صالح کے فقدان کی وجہ سے، دینی حلقوں میں عموماً گفتگو اور کلام صرف تنقید اور اختلاف کے اسلوب میں رائج ہو چکا ہے اور یہ صورت حال قطعاً مثالی اور آئیڈیل نہیں ہے۔ باہمی غلط فہمیاں اور ناچاکیاں، بغیر علم و معلومات کے گفتگو، اختلافات کے اظہار میں اخلاقی حدود سے تجاوز، وہمی اور خیالی وسوسوں کی بنیاد پر کفر و اسلام کے فیصلے، معاصرانہ و حاسدانہ رقابتوں کی وجہ سے ایک دوسرے کی تفسیق و تضحیل، یہ وہ حرکتیں ہیں جو خود ہمیں تباہی کے گھاٹ تک پہنچا رہی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس اسلوب کی پیروی سے اپنے قلم و زبان کو محفوظ رکھتے ہوئے اصلاح و تربیت کا کام کرے اور تکفیر و تفسیق کے اس دنگل میں نہ اترے تو بہت سے لوگ ایسے مثبت شخص کو خدمتِ دینی کے لیے قطعی ناموزوں، قرار دیتے ہوئے اُس پر تہمتیں لگاتے رہیں گے۔

یہ ماحول و فضا فکرِ دیوبند و ندوہ سے وابستہ تمام شخصیات سے سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے۔

مجلس کے اختتامی لمحات تھے کہ دیوبند (وقف) کے مہتمم مولانا قاری محمد سالم صاحب مدظلہم کا فون آیا اور مفتی صاحب نے جو رسالہ ردِ قادیانیت پلکھاتھا، اُس پر اُنہوں نے مبارکباد دی پھر حضرت مولانا قاضی ظہور حسین صاحب مدظلہم اور بعض حاضرین نے بھی، حضرت مولانا سالم صاحب مدظلہم سے فون پر گفتگو اور درخواست دعا کی سعادت حاصل کی۔ مولانا سالم صاحب مدظلہم نے مولانا وحید الدین صاحب کے متعلق مفتی صاحب کے مضمون کی تحسین فرمائی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مفتی صاحب نے نفرت، بغض اور طعن و تشنیع کو چھوڑ کر، ایک علمی جواب مولانا وحید الدین خان صاحب کو دیا۔

یہ مبارک اور علمی مجلس دن کو ایک بجے سے شروع ہوئی اور نماز مغرب کے وقت اختتام کو پہنچی۔ شرکاء علمی طمانیت کے احساس اور اس اُمید کے ساتھ واپس لوٹے کہ ان مجالس کو، علمی و دینی فائدے کے لیے، باقی رکھا بھی جائے گا اور ان مجالس میں مزید ترقی بھی آئے گی۔

